

اقبال کی شاعری میں انسانی عظمت کا تصور

نظیر صدیقی

نئی وجودیت کے بانی کوئن ولسن نے اپنی خیالی انجی تصنیف عہد شکست (THE AGE OF DEFEAT) میں جدید انسان کے اس بنیادی مرض کی تشخیص کی ہے جو آج کے مغربی ادب کے بیشتر حصے میں منعکس ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جدید انسان اس مرض میں مبتلا ہے جسے اپنی بے اہمیتی کا مغالطہ کہا جاسکتا ہے۔ یو مین او نیل، جیمس جوائس، ولیم فاکنر، ارنسٹ ہمنگوی، ٹینیسن ویلمز، آر تھریٹ، گریم گرین، آکٹیس، کسلے، سیمویل بیکٹ، ٹران ہال سارتر، البیر کامو وغیرہ جیسے ادبوں کے گہرے تجربے نے اسے اس نتیجے تک پہنچایا کہ جدید انسان اپنی بے اہمیتی کے عام اداسی میں مبتلا ہے۔ جدید نکلش کے تقریباً تمام ہیرو غیر اولوالعزم (unheroic) شکست خوردہ مغلوب اور قنوطیت زدہ ہیں۔ زندگی کی لالچیت یا زندگی کے بے معنی ہونے کا خیال جدید انسان کی روح میں اس حد تک اتر گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک کیڑے سے زیادہ تصور نہیں کرتا۔ وجودیت نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ انسان خدا ہے یا کیڑا؟ انسان کو جو ہمیشہ خدا بننے کا آرزو مند رہا ہے اسے اب یقین ہو چلا ہے کہ وہ ایک کیڑے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ جدید ادبوں میں ایسے بہت کم ہیں جو زندگی کے بے معنی ہونے اور انسان کی لازمی یا امکانی عظمت کا اثبات کرتے ہیں۔ ایسے ادبوں میں برنڈ شو سب سے نمایاں حیثیت کا مالک ہے، وہ بھی وجہ ہے کہ کوئن ولسن برنڈ شو کا سب سے بڑا پرستار ہے۔

ولیم بلیک اور برنڈ شو سے متعلق کوئن ولسن کی مدد سزاوارتہ تحریری پڑھنے کے بعد مجھے دل کی گہرائیوں میں یہ آرزو انگھٹائی اپنے گہرے کاشس کوئن ولسن اقبال کی شاعری سے واقف ہوتا۔ ایک مرتبہ اقبال کی طرف اسے متوجہ کرنے کی کوشش بھی کی گئی لیکن محسوس یہ ہوا کہ وہ اپنی تصانیف کے معاملے میں اس درجہ مصروف

ہے کہ اسے اقبال جیسے مشرقی شاعر فلسفی سے دل چسپی لینے کی فرصت ہی نہیں۔

کسی کو ن دلس کو اقبال سے واقف ہونے کی فکر ہو یا نہیں اقبال کا کوئی قاری اس تاثر سے نہیں بچ سکتا کہ وہ ہمارے
میں انسان کی اہمیت اور عظمت کے سب سے مؤثر اثبات نے اقبال کی شاعری میں اظہار پایا ہے۔ اقبال نے آدم کی تخلیق
کو جس پر شکوہ انداز میں بیان کیا ہے اس کی مثال عالمی شاعری میں شاید ہی مل سکے

نعرہ زد عشق کو خویش جگر سے پیدا شد

حسن لرزید کہ صاحب نظر سے پیدا شد

فطرت آشفتہ کہ از خاک جہاں مجبور

خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد

انسانی عظمت کے تصور کا اس سے زیادہ پُر زور، پاکیزہ اور بلیغ اظہار اور کیا ہو سکتا ہے؟ ان شعروں کا

سب سے زیادہ قورجہ طلبہ پہلو ہے کہ ان اشعار سے جو انسان برآمد ہوتا ہے وہ محض تخیل کی پیداوار نہیں۔ اس

میں ایک تاریخی مخلوق کی تمام تر حقیقت موجود ہے۔ وہ فی الواقع ایک خونین جگر، صاحب نظر، خود نگر، خود شکن

اور خود نگر مخلوق ہے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ وہ خاک جہاں مجبور، سے پیدا ہوا ہے لیکن وہ مجبور محض نہیں

رہا گو اس کے معنی یہ بھی نہیں کہ وہ بالکل آزاد اور خود مختار ہو چکا ہے۔ انسان کی لامحدود امکانی قوتوں پر اصرار

کرنے کے باوجود اقبال نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ انسان مکمل طور پر آزاد نہیں ہے۔ اس کی کچھ محدودیاں

اور معذوریات بھی ہیں۔

اس نظریے میں یقیناً کوئی ندرت نہیں کہ انسان بیک وقت مختار بھی ہے اور مجبور بھی۔ لیکن جبر و تدبیر

کے ابدی موضوع پر اقبال نے جس خیال کا اضافہ کیا ہے وہ غالباً یہ ہے کہ انسان کی مجبوری اور مختاری کے حدود

معیّن اور مستقل نہیں ہیں۔ انسان اپنی آزادی کے علاقے کو وسیع کر کے اور اپنی نارسائیوں کے دائرے کو

مختصر کرنے کی قدرت کا مالک ہے۔ مسلسل جدوجہد اور تخلیقی عمل کے ذریعے وہ اپنی بے طاقتی کو طاقتوری میں

اپنی غلامی کو آزادی میں اور اپنے جبر کو اختیار میں تبدیل کر سکتا ہے۔ وہ اپنی ذات پر بھی قابو پا سکتا ہے اور اس

دنیا پر بھی جس میں وہ رہتا ہے۔ وہ فطرت کو مسخر کر سکتا ہے جو اس کے لئے ہمیشہ ایک چیلنج رہی ہے۔ انسانی

ارتقا کی تاریخ انسان سے متعلق ان تمام خیالات کی تصدیق کرتی ہے۔ زمان و مکان پر انسان کی بڑھتی ہوئی فتوحات نے اس کے اختیارات میں اتنے زبردست اضافے کئے ہیں کہ ان پر خود انسانی عقل حیران ہے۔

فطرت پر انسان کی حکمرانی اقبال کو اس نظریے کی تجدید پر مائل کرتی ہے کہ انسان کائنات کا مرکزی نقطہ ہے۔

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسمان کے لئے

جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اقبال کی شاعری میں انسان دنیا کا نہ صرف مرکز اور اس کا حکمران ہے بلکہ وہ کائنات کی تخلیق، تہذیب

اور تکمیل میں خدا کا معاون بھی ہے۔ خدا کا معاون ہونے کے علاوہ وہ اس کا بہترین نقاد بھی ہے۔

انسان کو خدا کا معاون خالق قرار دے کر اقبال نے خدا اور انسان کے درمیان ایک نیا رشتہ

دریافت کیا ہے اس سے پہلے خدا اور انسان کے درمیان خالق اور مخلوق، حاکم اور محکوم، عابد اور معبود،

حامد اور معبود کا رشتہ رہا ہے۔

غالباً اقبال پہلے شاعر ہیں جنہوں نے انسان کو یہ محسوس کئے ہیں کہ خدا اور انسان کے درمیان

بہت سے فرق ہیں بلکہ ایک رشتہ بھی ہے کہ خدا خالق ہے اور انسان معاون خالق خدا یقیناً خالق اعظم سے لیکن اس کی

تخلیقات کی تکمیل بسا اوقات یا بہت سے معاملات میں انسان کی تخلیقی صلاحیتوں پر منحصر ہوتی ہے۔ انسان

کی تخلیقات خدا کی تخلیقات کے تتمے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اقبال کی ایک مختصر لیکن نہایت خوبصورت نظم ہے

معاودہ مابین خدا و انسان، اس میں خدا انسان کو الزام دیتے ہوئے کہتا ہے۔

جہاں بازیگ آفریدم تو ایران و ناتار و زنگ آفریدی

من از خاک پلاد ناب آفریدم تو شمیر و تیر و تفنگ آفریدی

تبر آفریدی نہال چمن را

قفص ساختی طائر نغمہ زن را

ان الزامات کی تردید کرتے ہوئے انسان کہتا ہے۔

توشب آفریدی چراغ آفریدم سفال آفریدی ایاج آفریدم

بیابان و کھار و راغ آفریدی خیابان و گلزار و باغ آفریدم

من آفم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آفم کہ از زہر نوشینہ سازم

اس نظم کے پہلے بندیں خدا اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ انسان کے تخلیق کار نامے تحریر ہیں۔ لیکن دوسرے بندیں انسان کی حقیقت پر اصرار کرتے نظر آتے ہیں کہ اس کے تخلیق کار نامے نہ صرف یہ کہ تعمیری ہیں بلکہ بعض لحاظ سے خدا کی تخلیقات کے ہم پلہ ہیں۔

جہاں تک انسانی عظمت کا تعلق ہے اقبال صرف اس اعلان پر توجہ نہیں کرتے کہ دنیا کے تخلیقی عمل میں انسان خدا کا معاون ہے بلکہ وہ اس بات پر بھی زور دیتے نظر آتے ہیں کہ جہاں خدا سب سے بڑا فن کار ہے وہاں انسان اس فن کار کا سب سے بڑا نقاد ہے۔

مجر کو پیدا کر کے اپنا نکمہ چیں پیدا کیا
نقش ہوں اپنے مصور سے گلہ رکھتا ہوں میں

گفت یزدان کہ چنینی است و دگر هیچ مگو
گفت آدم کہ چنینی است و چنان می بایست

طرح نو افکن کہ ماجدت پسند افتادہ ایم
ایں چہ حیرت خاندہ امروز و فردا ساختی

یہ انسان کی جدت پسندی ہی ہے جس نے اسے باقی مظاہر فطرت پر برتری عطا کی ہے۔

فروغ آدم خاک ز تازہ کاری ہاست
مہ و ستارہ کنند انچہ پیش ازین کردند

اد پر جو کچھ لکھا گیا اس سے محفوظ طور پر نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ انسان کی بنیادی اہمیت اور لاینفک عظمت

پہر اقبال کا عقیدہ اپنے پیچھے نہ صرف ایک منطق رکھتا ہے بلکہ اس کی تصدیق نوع انسان کی پوری تاریخ سے ہو رہی ہے۔ انسان کی تحلیل کے ذریعہ اقبال نے انسانیت کی ایک بڑی خدمت انجام دی ہے انہوں نے انسان کے وقار کو بحال کر دیا ہے جو محدود و بے نقویت بخش بات ہے۔

اقبال نے انسان کی مصوری اس طرح کی ہے کہ اس میں اس کی عظمت کے بہت سے پہلو آگئے ہیں۔ انہوں نے اسے طعین کی ہے کہ وہ اپنی نارسائیلوں پر غالب آئے، اپنے اندر دل و دماغ کی بہترین صفات پیدا کرے، اپنی عقل اور اپنے وجدان کو مساوی تناسب کے ساتھ ترقی کرنے دے۔ اپنی ذات میں نفی اور گرمی دونوں کو جمع ہونے دے اور اس نقطہ کمال تک پہنچے جس میں جمال و جلال دونوں شامل ہوں۔ شکست خوردگی اور قنوطیت کے اثرات سے انسان کو آزاد کرنے میں اقبال نے اپنی ساری ذہنی اور شاعرانہ قوتیں صرف کر دی ہیں۔

عظیم فلسفی ہیکل نے انسان کی عظمت اور اس کے مصائب کا ذکر کیا ہے۔ اقبال انسانی عظمت کے تصور میں اس قدر محو نظر آتے ہیں کہ وہ اس کے مصائب کا خاطر خواہ جائزہ نہ لے سکے۔ ان کی ابتدائی شاعری میں انسان کے کائناتی کرب کا احساس جھلکتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ انسان ایک غیر ہمدرد کائنات میں ڈال دیا گیا ہے جہاں وہ ایسی تنہائی اور غم کا شکار ہے جس میں مظاہر فطرت بالکل شریک نہیں۔ اقبال نے انسان کی کائناتی تنہائی اور بچاریگی کو اس قدر شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکے کہ خدا کی لذت ایجاد انسان پر کرم ہے یا کہ ستم؟

ایں کوہ و صحرا میں دشت و دریا
نے رازداران نے غم گاراں

یہ مشت خاک، یہ صحر، یہ وسعت افلاک
کرم ہے یا کہ ستم تیری لذت ایجاد

لیکن انسانی کرب کے اس شعور کو اقبال کے مرکزی فلسفہ نمودی و بخود کی ارتقاء نے ماند کر دیا۔ انسانی

مصائب کے بجائے انسانی امکانات کا شاعرنا اقبال کا عزم یا مقدر تھا۔ انہوں نے انسان کا مطالعہ زندگی کے سنگین حقائق اور المیوں کی بجائے نصب العین اور اقدار کی روشنی میں کیا۔ وجودیت کے ایک اسکول کی طرح اقبال نے یہ کبھی محسوس نہیں کیا کہ انسان ایک انسان دشمن کائنات میں پھینک دیا گیا ہے البتہ انہوں نے یہ ضرور محسوس کیا کہ جس دنیا میں انسان رہتا ہے اسے اپنی آرزوؤں کے مطابق بنانے کے لئے بہت کچھ کرنا ہے۔ اسی لئے انسان کے نام ان کا ایک اہم ترین پیغام یہ ہے ۔

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر